کافَّۃً لِّلنَّاس

بہ تقریب عید میلاد النبیؐ

از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز بی اے ہوم ڈیپارٹمنٹ شملہ

یوں تو ہر شکار میں ایک لطف ہے لیکن سب سے زیادہ لطف انسان اس وقت محسوس کرتا ہے جب کہ اس کا شکار خود دوسرا انسان ہو۔ نوع انسانی کی تاریخ پر نگاہ ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ وہ اسی سلسلۂ صید و صیاد کی ایک مسلسل داستان ہے تہذیب و تمدن کے بدلنے سے محض جال کی نوعیتیں بدلتی رہی ہیں۔ لیکن جذبہ ہمیشہ وہی کارفرما رہا ہے۔ انسان نے اپنے عہد طفولیت میں شکار اور گلہ بانی کی انفرادی زندگی کے بعد قبائل کی اجتماعی زندگی کی طرف قدم بڑھایا تو اس اجتماعیت اور عمرانیت کا تقاضا تھا کہ آپس میں کچھ کام بانٹ لیے جائیں مختلف لوگ مختلف مقتضیاتِ زندگی کے ذمہ دار ہوں یہ تقسیم عمل تھی جس سے ابتداءً انسانی گروہوں کی تخلیق ہوئی لیکن چونکہ فرائض مفوضہ کی نوعیت میں اختلاف تھا۔ کچھ فروتر تھے کچھ بالاتر۔ جن لوگوں کے حصہ میں بالائی سطح کے فرائض آئے، انہوں نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ چوپاؤں کی سیاقت میں ذہنی تعیش کہاں جو خود انسانوں کی سیادت میں ہے۔ درندوں کے شکار میں وہ لذت کہاں جو اپنے ہم جنسوں کے لہو میں ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسی تدابیر سے کام لینا شروع کیا کہ ہاتھ آئی ہوئی دولت کبھی چھنی ہی نہ جائے۔ یہیں سے حکومت کی بنیاد پڑی اور ارباب اقتدار نے اپنی سطوت و تغلب کو قائم رکھنے کے لیے مختلف قوتوں کو اپنے اند

مرکوز کرنا شروع کر دیا۔ اس انداز سے ان کی گرفت مضبوط تو ضرور رہتی لیکن جو کاوشیں اور زحمتیں اس قوت کے حصول اور استبقاء میں برداشت کرنی پڑتیں وہ مشکل "باندازۂ خمار" ہوسکتیں، لہٰذا ایک دیدہ ور اور دوربین گروہ نے اس سے بھی زیادہ موثر طریقہ کی بنیاد رکھی انہوں نے دیکھا کہ عقیدہ انسان کا سب سے زیادہ نازک پہلو ہے اس کے راستہ سے جو چیز ذہن انسانی میں داخل کی جائے گی اس کی گرفت کبھی چھوٹ ہی نہیں سکتی۔ ادھر مختلف گروہ کچھ وقت سے اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتے دیتے ان کے خوگر بھی ہو چکے تھے۔ ہنر اور پیشہ ورثۃً بھی ملتا چلا آرہا تھا۔ ماحول کا بھی اثر تھا۔ ان حالات کے یکجا اجتماع سے ایک عقیدہ کا وجود میں آجانا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا۔ چنانچہ تقسیم عمل کی وہ حدبندی جس کی ابتدا محض ایک مدنی ضرورت تھی مذہبی ایمان کا جزو ہو گئی فروتر گروہ میں پیدا ہونے والے بچہ کے ذہن میں شروع سے ہی یہ بات راسخ ہونے لگجاتی تھی کہ اس گھرانے میں اس کی پیدائش دیوتاؤں کے حکم سے ہے اور کسی انسان کو یہ اختیار باقی نہیں کہ ان کے فیصلے کے خلاف اپیل سن سکے مفلسی اور محتاجی کی صعوبات ذلت و رسوائی کی عقوبات جو اس پیشہ اور گھرانے سے متعلق ہونے کی جہت سے اس پر آتیں وہ اطمینان اور قناعت سے ان کو جھیلتا کہ وہ اس کے کسی گذشتہ جنم کے اعمال بد کی پاداش میں آتی ہیں۔ اعلیٰ طبقہ میں پیدا ہونے والا بچہ دنیا کی تمام نعمتوں اور ثروتوں کو اپنا پیدائشی حق سمجھتا اس لیے کہ وہ اس ورن میں پیدا ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ اپنے کسی گذشتہ جنم کے نیک اعمال کا معاوضہ لے۔ یہ تقسیم آلٰہی تقسیم تھی، جس میں کسی کو شکوہ و شکایت کی گنجائش نہ تھی۔ اعلیٰ طبقہ فروتر گروہوں سے ہر قسم کی خدمت لینا اپنا حق سمجھتا تھا، اور فروتر گروہ ان کی طرف سے ہر قسم کے جور و استبداد کو خدا کا بھیجا ہوا مقدر سمجھتا تھا۔ نہ وہ اس خدمت کا معاوضہ دینا ضروری خیال کرتا، نہ یہ اس استبداد کے خلاف لب کشائی کرنے کی جرأت کر سکتا۔ رفتہ رفتہ یہ عقیدہ اس قدر راسخ

ہو گیا کہ گروہوں کی تقسیم ابدی اور ازلی قرار پا گئی۔ اب ارباب اقتدار کو ہر طرح کا اطمینان حاصل تھا۔ ان کی بالادستی کے خلاف کسی کے دل میں خیال تک بھی نہیں آسکتا تھا۔ لہذا وہ تغلب جو دنیا بھر کی قوتیں اور ہزاروں سامان فراہم کرنے کے بعد بھی وہ حاصل نہ کرسکتے تھے، اب بلا محنت اور تردد، بلا خدشہ واندیشہ گھر بیٹھے ان کو حاصل تھا، اور اس انداز سے کہ ان کے چھن جانے کا کبھی گمان تک بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ مصر کے عہد اولین کی تاریخ دیکھیے عام انسانوں کے چار طبقوں کے علاوہ جن میں بجائے خود تفوق و برتری کے مدارج کچھ کم متمیز نہ تھے، پانچواں گروہ ارباب حکومت کا تھا۔ بادشاہ دیوتاؤں کی طرف سے بادشاہ ہوتا تھا، اور اس کی اولاد پیدائشی حاکم ہوتی تھی۔ نہ اُس کو کبھی یہ دھڑکا ہوتا تھا کہ رعایا میں سے کوئی اس کے خلاف بغاوت کا خیال تک بھی لاسکتا ہے۔ نہ رعایا میں سے کسی کو وہم تک بھی ہوسکتا تھا کہ ان میں سے بھی کبھی کوئی بادشاہ بن سکتا ہے۔ اس کے بعد ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالیے چار ورنوں کی ابتدا کچھ اسی طرح ہوئی ہوگی لیکن رفتہ رفتہ طبقۂ اعلیٰ یعنی برہمنوں کا تسلط تمام قلوب پر چھا گیا۔ شودر اور ویش اپنی اپنی حالت پر مطمئن تھے کہ وہ اپنے ورن سے باہر جا ہی نہیں سکتے تھے۔ اور ان کا کام ہی طبقۂ اعلیٰ کی خدمت گذاری تھا۔ کھشتری یقیناً سپاہی اور حکمراں تھے لیکن ان کا فریضہ بھی برہمنوں کی حفاظت اور نگہداشت تھا۔ درحقیقت حکومت تمام برہمنوں ہی کی سرپرستی میں ہوتی تھی۔ اور جو کچھ کھشتری سورماؤں کے پاس تھا، وہ وہی تھا جسے برہمنوں نے دوسری سمجھ کر خود بخود چھوڑ رکھا تھا۔

لیکن انسانوں کی اس غیر فطری تقسیم سے تخلیق انسانی کا مقصد ہی فوت ہو رہا تھا۔ ارادہ و اختیار کا دائرہ جو انسان کو دیگر مخلوقات پر شرف بخشنے کے لیے اسے عطا کیا گیا تھا، وہ اس تقسیم سے یکسر مٹ چکا تھا۔ امکانات انسانی کے تمام راز سربمہر دھرے رکھے تھے۔ ذہن و قلب کی تمام قوتیں معطل اور بیکار تھیں۔ اس لیے کہ نیچی ذات کے لوگ کبھی ترقی کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔

پھر قوتوں کے استعمال کا موقع کہاں سے آتا۔ اعلیٰ طبقے کے لوگ اپنے طبقے کو انسانی ترقیوں کا آخری نقطہ سمجھ کر مطمئن تھے کہ اس سے آگے بڑھنا اس دنیا کے انسانوں کے بس میں ہی نہیں وہ دیولوک (دیوتاؤں کی دنیا) کا کام ہے۔ گویا انسانوں کی تمام جماعتوں پر جمود اور تعطل کے توبتو پردے پڑے ہوئے تھے جن کو اتنا مقدس اور پوتر سمجھا جاتا تھا کہ انسانی ہاتھ اُن کو چھو بھی نہیں سکتا تھا۔ فطرت اسے کب تک گوارا کرتی مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر اس کے خلاف آوازیں بلند ہوئیں کہیں کم موثر ثابت ہوئیں کہیں زیادہ لیکن رفتہ رفتہ عقیدۂ تناسخ مختلف شکلیں تبدیل کرتا چلا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی پیدائشی امتیازات اس صورت میں باقی نہ رہے جو اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ تھا۔ البتہ اس کے دھندلے سے نشان نسبی امتیازات کے رنگ میں موجود رہے لیکن ہندوستان میں اگرچہ مختلف آوازیں بھی اس کے خلاف پیدا ہوتی رہیں، اس عقیدے اور عقیدے کے لازمی نتائج میں ذرہ بھی فرق نہ آیا۔ ہمیں اس وقت اُن آوازوں کی تفصیل و تاریخ سے بحث نہیں جو اس کے خلاف پیدا ہوئیں لیکن ان کا نتیجہ تو ظاہر ہے۔ مثلاً مہاتما بدھ کی کوشش اس باب میں کچھ کم قابل تحسین نہیں لیکن آخری ماحصل تو یہی ہے تاکہ ورن اپنی جگہ قائم رہا اور بدھ مت کو چین اور جاپان کی طرف جانا پڑا ہمیں اس وقت صرف اس آواز کو دیکھنا ہے جو سب سے موثر طریق سے اٹھائی گئی اور سب سے زیادہ موثر نتائج کی حامل ہوئی۔ یہ وہ آواز ہے جو آج سے چودہ سو سال پیشتر عرب کے صحرا سے بلند ہوئی۔

وہ عرب کہ جہاں نسبی تفاخر اپنی انتہا پر تھا۔ عہد جاہلیت کے دواوین اٹھا کر دیکھیے معلوم ہو جائے گا کہ پیدائشی امتیازات ان کے ہاں کس قدر اہمیت رکھتے تھے۔ یہ آواز اس ہستی کی وساطت سے بلند ہوئی جو اس تمام ملک میں سب سے زیادہ ممتاز اور اعلیٰ ترین قبیلہ سے تھی مروجہ عقائد کی رو سے جس کو سب سے بڑھ کر تفوق و امتیاز پیدائشی طور پر حاصل تھا۔ اس

باطل تفوق کے خلاف اگر کوئی آواز سب سے زیادہ موثر ہو سکتی تھی تو کسی ایسی ہی شخصیت کی ہو سکتی تھی۔ اسلام نے سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ یاد رکھو پیدائش کی رو سے تمام انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ اس لئے کہ تمام انسان ایک نفس واحد سے مخلوق ہیں۔

ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ.. (۶/۱۸۹) وہی ہے جس نے تم کو نفس واحد سے پیدا کیا

پھر اس کے بعد یہ بتایا کہ مختلف وطن۔ قبائل۔ قومیں۔ ذاتیں۔ سب اس لئے ہیں کہ ایک دوسرے کی پہچان ہو سکے۔ ان میں سے کوئی چیز عزت و تکریم کی باعث نہیں۔ نہ شودر شودر کے گھر پیدا ہونے سے ذلیل ہے نہ برہمن برہمن کے ہاں جنم لینے سے پوجیہ پاد۔

یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (۴۹/۱۳) لوگو ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اور تمہاری برادریاں اور کنبے بنا دیئے کہ آپس میں شناخت کر سکو۔ تم میں سب سے زیادہ بزرگ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

پھر یہ اعلان کیا کہ یاد رکھو اس دنیا میں انسان ایک صاف لوح لے کر آتا ہے کسی گذرے ہوئے جنم کے اعمال کے نتائج اس کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتے۔ یہ دنیا، یہ کارزار حیات، یہ جہان جہد و جہد ہر انسان کے لئے یکساں وسیع ہے۔ کسی کا کوئی دائرہ نہیں، کوئی حد بندی نہیں۔ جہاں تک جس میں استعداد ہو اڑتا چلا جائے۔ کوئی روکنے والا نہیں۔ اس شاہراہ عمل پر کہیں یہ سائن بورڈ نہیں کہ "یہ راستہ عام نہیں"۔ یہاں ہر راستہ عام ہے۔ یہ شاہراہ کھلی ہوی ہے جو کوشش کرے گا جتنی کوشش کریگا ہر اکتسابی شئے اس کے مطابق حاصل کرتا چلا جائے گا۔ لیس للانسان الا ما سعی۔ انسان کے لئے وہی ہے جس کے لئے وہ کوشش کرے۔

پھر چونکہ کوئی تعلیم بلا عمل اور نمونہ کے مؤثر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے سب سے پہلے نبی اکرمؐ نے خود یہ

ثابت کرکے دکھلایا کہ فطرت نے ہر انسان کے لئے میدان سعی وعمل وسیع چھوڑا ہے، اور ایک ہی انسان مختلف کاموں میں ترقی کرسکتا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے حضور کی پیدائش عرب کے ممتاز ترین خاندان میں ہوئی۔ لیکن ابتدائی پرورش اُس ماحول میں ہوئی جسے یہاں کی اصطلاح میں شودر ورن کا ماحول کہنا چاہیئے۔ بکریاں چرانا، مویشی ہانکنا جو نیچ ذاتوں کا پیشہ قرار دیا گیا ہے اپنی زندگی کی ابتدا حضور نے اسی پیشہ سے کی اور اس وظیفہ زندگی کو اس حسن وخوبی سے انجام دیا کہ حضور کے ساتھی دوسرے بکریاں چرانے والے لڑکے تعجب کیا کرتے تھے۔ ہاشمی خاندان کے اس نونہال یا یوں کہیے کہ عرب کے سب سے اونچی گوت کے برہمن زادکو شودروں کے اس پیشہ سے قطعاً عار نہ تھا۔

تجارت اور بیوپار ویش ورن کا پیشہ کہا گیا ہے۔ یہ شودروں سے ذرا اونچے ہوتے ہیں حضور نے جب اگلا قدم اُٹھایا تو اپنے چچا کے ساتھ تجارت کے لیے جانا شروع کیا۔ نہیں۔ بلکہ خود تجارت شروع کی حضرت خدیجہ کا مال تجارت مدتوں بیچا۔ اور اس قدر کامیاب تاجر ثابت ہوئے کہ بڑے بڑے کہنہ مشق تجار انگشت بدنداں رہ گئے۔ اور حضور نے عملاً ثابت کردیا کہ ایک شودر کا کام کرنے والا بچہ ویش کی سی تجارت بھی کرسکتا ہے۔

تیسرا ورن سورما سپاہی، کشتریوں کا ہے۔ میدان جنگ اُن کے لئے مخصوص ہے بساط سیاست کے یہ دھنی ہوتے ہیں۔ حضور کی حیات مقدسہ میں جب نبرد آزمائی اور سیاست مدن کا شعبہ دیکھئے تو اس میں بھی آپ وحید ہیں کم وبیش تیس لڑائیوں میں حضور شریک ہوئے اور جرأت وثبات کا یہ عالم تھا کہ صحابہ کا بیان ہے کہ جب کبھی میدان جنگ میں عام سپاہیوں پر کڑا وقت آیا، ہم نے ہمیشہ حضور ہی کے پیچھے پناہ لی۔ کہیں شکست نہیں کھائی۔ کبھی پیٹھ نہیں دکھائی۔ عرب جیسے وحشی اور خونخوار ملک میں امن وسلامتی کے پرچم لہرادیے اور خون کے اتنے کم چھینٹوں کے عوض کہ آج ایک فرقہ دارانہ فساد میں اس سے زیادہ خونریزی ہوجاتی ہے۔

پھر حکومت و سلطنت اِس تدبر اور بلند نظری سے کی کہ دنیا بھر کے سیاست دان آج تک معترف ہیں۔ اس سے یہ بتا دیا کہ ہاں دیکھ لو۔ شودروں کے ماحول میں تربیت پانے والا بچہ، اگر کامیاب ویش ہوسکتا ہے تو کشتری بھی کم حیثیت کا نہیں ہوسکتا۔

اس سے آگے بڑھیے تو برہمنوں کا درجہ ہے اور یہ ورنوں کی تقسیم کے لحاظ سے گویا انسانیت کا آخری نقطہ ہے۔ یہ گیان اور ودیا اور علم وحکمت کے محافظ ہوتے ہیں۔ اس باب میں تو حضور کے متعلق کچھ عرض کرنا تحصیل حاصل ہے۔ دنیا بھر کے فلاسفر تمام جہاں کے عالم، بڑے بڑے منطقی، مشہور سائنسدان، اس نبی امی اعلم الناس، معلم الحکما، مدینۃ العلوم والحکم کے لائے ہوئے پیغام کے ایک ایک ٹکڑے کو لیتے ہیں اور جوں جوں اس کے حقائق بے نقاب ہوتے ہیں، وجد کرتے ہیں، جھومتے ہیں، اور آخر تھک کر بول اُٹھتے ہیں کہ

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر ما ہمچنیں در اول وصف تو ماندہ ایم

ابن رشد۔ بوعلی سینا۔ رازی۔ فارابی۔ جن کو آج یورپ اپنے اپنے فن کا امام مانتا ہے۔ اس مائدۂ علم وحکمت کے ریزہ چین، اور اِس آفتاب حقایق ومعارف کے مکتسب انوار تھے جن اساتذۂ علوم وفنون نے ساری دنیا کو تہذیب وتمدن سے روشناس کرایا وہ اِس بکریاں چرانے والے تاجر ابی سوداگری کرنے والے سپاہی اور اسی شمشیر افگن وِدوان کے مکتب قدس کے ابجد خواں تھے۔ کیا اس سے بڑھ کر دنیا کا کوئی مصلح، نوع انسانی کا کوئی ہمدرد، ایسا جامع نمونۂ زندگی پیش کرسکتا ہے، جس میں ہر ورن کے انسان، ہر گوت کے آدمی کے لئے امید وآرزو اور اطمینان ومسرت کا سامان موجود ہو؟ قرآن کریم نے کہا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (اے نوع انسانی) تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

حضورؐ تمام نوعِ انسانی کے لئے رسولؐ ہیں۔ کافۃ للناس کے لئے رہبر ہیں۔ اور خدا کے آخری پیغمبر ہیں۔ اس لئے حضور کی حیاتِ مقدسہ میں دنیا کے ہر طبقہ کے انسان کے لئے بہترین نمونہ ہونا چاہیئے کیا اس کے بعد انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے لئے ان نقوشِ قدم میں کوئی سامانِ رہنمائی نہیں؟ کیا ایک شودر اس بابِ عالی سے مایوس ہو کر جا سکتا ہے کہ میں ساری دنیا کا ٹھکرایا ہوا انسان امیدوں کی ہزاروں دنیائیں ساتھ لے کر یہاں پہنچا تھا۔ لیکن یہاں بھی میرے لئے پناہ کی جگہ نہیں! نہیں وہ رسولؐ ایک شودر کے لئے بھی ویسے ہی راہ نما ہیں جیسے ایک برہمن کے لئے۔ حضور نے عملاً بتلا دیا کہ شودر کو، ایک ویش کو، ایک کشتری کو کبھی یہ سمجھ کر مایوس نہیں ہو جانا چاہیئے۔ کہ ان کی ترقیوں کی دنیا انہی کے دائروں تک محدود ہے۔ نہیں! یہ دائرے حدود فراموش اور قیود ناآشنا ہیں۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا۔ ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے۔

پھر اس تعلیم و عمل کا دائرہ حضور کی ذاتِ گرامی تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ مساواتِ نوعِ انسانی اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ اسی لئے جہاں جہاں اسلام تھا، وہیں اس عالمگیر اخوت و مساوات کے نظارے آنکھوں کے سامنے تھے خود نبی اکرمؐ نے اپنی پھوپی زاد بہن یعنی عرب کے سب سے بڑے خاندان کی خاتونِ محترم کی شادی ایک غلام سے کر دی۔ غلام کی پوزیشن عرب جاہلیت میں یہاں کے شودروں سے بھی بدتر تھی۔ اس سے بڑھکر مساوات کی اور کیا عملی مثال ہو سکتی ہے اسی کا نتیجہ تھا کہ اس سوسائٹی میں غلاموں کو وہ مدارجِ عالیہ حاصل ہوئے کہ احرار بھی ان کے سامنے ہیچ تھے۔ بلالؓ ایک ادنیٰ غلام تھے۔ خود جناب صدیق اکبرؓ نے انہیں آزاد کرایا۔ لیکن اسلام میں برہمنیت کی سب سے بلند کرسی پر یہی غلام فائز تھے۔ مؤذن رسول اللہ ہونے کا پہلا فخر انہی کو ہے۔ حالت یہ تھی کہ جب یہ دور سے نظر آتے تو حضرت ابو بکر اور حضرت علی اٹھکر کھڑے ہو جاتے کہ ہمارے

آقا بلالؓ آرہے ہیں۔ حضرت علی تو فرماتے ہیں کہ بلال خود میرے گھرانے کے ایک فرد ہیں۔ نبی اکرم نے جب آخری فوج تیار فرمائی تو اس میں قریش و عرب کے بڑے بڑے اکابر موجود تھے۔ صحابۂ کبار مثل حضرات ابوبکر۔ عمر۔ علی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی جمع تھے لیکن فوج کی سپہ سالاری حضور نے ایک غلام زادہ۔ اسامہ بن زیدؓ کو تفویض فرما دی، اور کسی کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا۔ کیا کوئی شودر اسے ممکنات میں سے تصور کر سکتا ہے کہ اس کو اتنا بلند درجہ بھی مل سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ پیدائش کے اعتبار سے بڑی اونچی ذات کے، پوزیشن کے لحاظ سے امیر المومنین، لیکن اپنی نماز جنازہ کے لیے ایک رومی غلام، حضرت صہیبؓ کو تجویز فرمایا نہیں بلکہ ان سے درخواست کی کیا یہ سب سے بلند ترین مقام نہیں جو ایک برہمن کو مل سکتا ہے! وہی قریش جن کے نسبی تفاخر کا یہ عالم تھا کہ بدر کی لڑائی میں جب انصار کے چند سپاہی مقابلہ کے لیے نکلے تو انھوں نے ان سے اس بنا پر لڑنے سے انکار کر دیا کہ نسب اور پوزیشن کے لحاظ سے وہ ان سے کمتر ہیں۔ یہی قریش تھے کہ جب مسلمان ہوئے تو ایک مرتبہ حضرت بلالؓ نے شادی کی خواہش ظاہر کی تو بڑے بڑے قریشی متمنی تھے کہ وہ ان کے ہاں رشتہ پر راضی ہو جائیں حضرت عمرؓ کے عہد میں جب رجسٹر ڈ مہاجرین و انصار کے وظائف مقرر ہوئے ہیں تو مشاہرہ کا معیار خاندان اور نسب پر نہ تھا بلکہ معیار یہ تھا کہ جو پہلے مسلمان ہوئے تھے ان کو سب سے زیادہ دیا جائے۔ اس کا عملی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ جس قدر غریب پیدائش کے لحاظ سے نیچی برادری کے لوگ تھے ان کو ممتاز حصہ ملا۔ اور قریش کے بڑے بڑے سردار، جو سب سے آخر مسلمان ہوئے تھے، سب سے فروتر رہے۔ اور آگے بڑھیے۔ یہ مثال صرف آپ کو اسلام میں ہی مل سکتی ہے کہ ہندوستان میں غلاموں نے اور مصر میں مملوکوں نے سلطنت کی۔ غلاموں کا بادشاہ ہو جانا کیا نوع انسانی کی تاریخ ورطۂ حیرت میں ڈالنے والا واقعہ نہیں؟ کیا شودروں کو اس سے بلند سطح کہیں اور بھی

مل سکتی ہے۔ آج جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے تقسیم عمل کے لحاظ سے عرب میں جو لوگ وہ کام کرتے ہیں جو یہاں شودروں سے مخصوص ہے، جب نماز کا وقت آتا ہے تو وہ مسجد حرام میں بڑے بڑے امراء اور اکابر سلطنت سے دوش بدوش، ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں یہ سب کیا ہے؟ اسلام کی وہی عالمگیر تعلیم فطرت۔ اور اس تعلیم کے مطابق نبی اکرم کا عملی نمونہ

آج وحدت انسانی کا ہر طرف چرچا ہے اخوت و مساوات کی ہر قلب سلیم کو تلاش ہے انسانی استبداد و تغلب نے اپنے ہم جنس انسانوں کے پاؤں میں غلامی کی جو بوجھل زنجیریں مختلف نام رکھ کر ڈالی تھیں، انسانی فطرت انھیں توڑنے کے لیے خود بخود مجبور ہو رہی ہے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ ان غیر فطری قیود سے انسانیت کو آزاد کرانے کے لیے مختلف تحریکیں اٹھی ہیں۔ کئی آوازیں بلند ہوئی ہیں لیکن ہر وہ فطرت سلیم کا انسان جو بصارت کے ساتھ بصیرت بھی رکھتا ہے اگر ذرا غور و تعمق سے مطالعہ کرے، تو اس پر واضح ہو جائیگا کہ عملاً جس قسم کی مساوات کے نتائج اسلام نے پیدا کیے ہیں، اور کہیں پیدا نہیں ہو سکے۔ اس لیے کہ داعی اسلامؑ کی بعثت کا سب سے اہم مقصد قرآن کریم نے انہی طوق و سلاسل کو توڑنا بتایا ہے، تاکہ حضور کی آمد سے فطرت انسانی پھر اسی آزادی کی فضا میں سانس لے سکے جو اس کی تخلیق کا مقصد ہے، اور خدا اور بندے کے درمیان کوئی تیسری قوت باقی نہ رہے۔ یہی تھے وہ رسول جن کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ۔

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ (۷: ۱۵۷)۔

وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دے گا اور برائیوں سے روکیگا اور پاکیزہ چیزیں ان کے لیے حلال کریگا اور خبیث چیزیں ان پر حرام کریگا اور وہ بوجھ اور وہ طوق و سلاسل ان پر سے اتار پھینکیگا۔ (جن کے نیچے فطرت انسانی دبی چلی رہی تھی)